ماں کا صدمہ

حبیب الرحمٰن بٹالوی

بارہ سالہ حمزہ ہاتھ جوڑ کر اپنی ماں کی میّت پر کھڑا روتے ہوئے بار بار کہہ رہا تھا:

''ماں! مجھے معاف کر دیں۔ خدا کے لیے معاف کر دیں۔ ایک دفعہ اٹھ جائیں۔

میں ہمیشہ آپ کا کہا مانوں گا۔''

میّت کے اردگرد بیٹھی غم زدہ خواتین، مرنے والے کے عزیز اقربا سبھی رو رہے تھے، اُس کی جدائی میں ہلکان ہو رہے تھے۔ کوئی کہہ رہا تھا: ''اچھا ہوا، ماں پہلے چلی گئی، آج اگر وہ زندہ ہوتی تو بیٹی کا صدمہ کیسے برداشت کرتی۔''

ایک آواز آئی: ''بیٹی اپنی ماں کی میت کے پاس آخر تک بیٹھی رہی تھی۔ اُس نے ماں سے کہا ہوگا۔ ماں!

تو چل، میں تیرے پیچھے آ رہی ہوں۔''

ایک عورت کہہ رہی تھی: ''بیٹی! تو نے یہ نہ سوچا کہ تو اپنی ماں کے بغیر چار دن نہ رہ سکی، تیرے بچے تیرے بغیر کیسے گزر اوقات کریں گے۔''

ایک ہمسائی کہہ رہی تھی: ''ہم تو انتظار کر رہی تھیں کہ بیٹی گوجرانوالہ سے آئے گی تو ہم اُس سے، اُس کی ماں کا افسوس کریں گی۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ بیٹی خود ماں کے پاس چلی جائے گی۔''

ماں کے بغیر رہ جانے والے تین بچوں کی پھوپھی اُن سے کہہ رہی تھی: ''میرے بچو! آج سے میں نے سکول کی نوکری ختم کر دی۔ اب میں صرف تمہاری نوکری کروں گی۔ تمہیں سب کچھ دوں گی مگر تمہاری ماں نہیں دے سکتی۔''

یہ میری اکلوتی بھانجی تھی جو خانقاہ ڈوگراں سے اپنی ماں کے انتقال پر گوجرانوالہ گئی تھی اور پھر گھر واپس آنے کا حکم نہ ہوا۔ صرف پانچ دن بعد، ماں کی موت کے صدمے سے ہی، اللہ کو پیاری ہوگئی۔ اپنے تین پھول جیسے بچوں کو روتا دھوتا چھوڑ کر..... صبح دم پھولوں نے آسمان کی طرف منہ کر کے فریاد کی کہ ہم سے ہماری شبنم چھین لی گئی ہے۔ اُنہیں کیا معلوم تھا کہ آسمان اپنے ستارے بھی کھو چکا ہے!

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ بے پروا ہے۔ بڑی حکمت والا ہے۔ بہتر جانتا ہے، خیر کس بات میں ہے، بھلائی کس بات میں ہے۔ ہم کچھ بھی نہیں جانتے۔ ہماری سوچ محدود ہے۔ ہمارا علم ناقص ہے۔ ہم صرف دعا کر سکتے ہیں کہ وہ ہم

سب کی زندگی، موت اور آخرت آسان کردے ورنہ موت تو اٹل ہے۔ ایک حقیقت ہے۔ آنی ہی آنی ہے۔ ہر ذی روح کے سر پہ منڈلا رہی ہے ؎

قبر کے چوکھٹے خالی ہیں اِنہیں مت بھولو
جانے کب؟ کون سی تصویر لگا دی جائے

اور

کلبیۂ افلاس میں، دولت کے کاشانے میں موت!
دشت و در میں، بحر میں، قلزم میں، ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
نَے مجالِ شکوہ ہے نَے طاقتِ گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوقِ گلو افشار ہے

ہفتہ ۱۵؍دسمبر ۲۰۱۲ء رات آٹھ بجے راقم کی ہمشیرہ انتقال کر گئیں۔ پرانے دور کی ایک گھر گرہستن خاتون جس نے اپنے چھوٹے بھائیوں کو، بیوہ ماں کے ساتھ مل کر پالا۔ اپنی عمر کا ایک حصہ، ہماری دیکھ بھال پر قربان کر دیا۔ جسے ہم ماں ہی کا درجہ دیتے تھے۔ ہر بات اُن سے پوچھ کر کرتے۔ خاندان میں جس کی ذہانت اور فراست مسلّمہ تھی۔ ایک قناعت پسند، سفید پوش، نفیس طبع خاتون، گفتار و کردار میں بے مثال، صاف ستھرے ذہن کی مالک۔ ہر ایک کے دکھ درد میں شریک۔ اپنے بھتیجے اور بھتیجیوں کی ہر دل عزیز ''پھوپھی''۔ خودداری کا پیکر، نیک سیرت اور عبادت گزار!

عُمرے کے دوران، مکہ مکرّمہ میں میری اس ہمشیرہ نے اپنی ایک قلبی واردات سنائی کہ جب راقم ایک موقع پر، گوجرانوالہ سے اپنے سب متعلقین سے یہ کہہ کر واپس آیا کہ اب ان شاءاللہ عُمرے کے بعد ہی ملاقات ہوگی۔ تو ہمشیرہ کہتی ہیں کہ اُنہوں نے اندر کمرے میں نماز ادا کی اور بڑی دیر تک روتی رہیں، اس حسرت اور دعا کے ساتھ کہ کاش! آج میری اتنی حیثیت ہوتی کہ میں بھی بھائی کے ساتھ حرم پاک اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت پر جا سکتی۔ اس بات کے تین دن بعد چھوٹے بھائی کا پیغام آ گیا کہ آپا جی! آپ بھی تیاری کریں۔ بھائی جان کے ساتھ عُمرے پر جائیں گی۔ اِسی بہن کے انتقال کے پانچ دن بعد میری اکلوتی بھانجی بھی، ماں کی جدائی کا صدمہ برداشت نہ کر سکنے کے باعث اپنی ماں سے جا ملی تھی اور اس کا بارہ سالہ بیٹا اُس کی میت پر کھڑا رو رہا تھا۔ ہاتھ جوڑ جوڑ کر ماں سے کہہ رہا تھا: ''ماں جی! مجھے معاف کر

دیں۔خدا کے لیے معاف کر دیں۔صرف ایک دفعہ اُٹھ جائیں۔میں ہمیشہ آپ کا کہا مانوں گا۔''

آخر میں مریم بیٹی کا ایک تعزیتی خط جو اُس نے بہن اور بھانجی کے انتقال پر تحریر کیا:

''' بہت بار سوچا کہ آپ کو فون کروں مگر ہمّت ہی نہیں ہوئی۔اتنی ہمّت ہی نہیں ہوئی کہ انسان کی زندگی نہ رہے تو انسان اس نقصان پر کیا حرفِ تسلّی کہے۔اور پھر اُس شخص سے جو دوسروں کو حوصلہ دینے والا ہو۔دوسروں کا ہاتھ تھام کر چلنے والا ہو۔اور پھر اُس کے اپنے ہاتھ سے دو بہت پیاروں کے ہاتھ چھوٹ جائیں اور وہ کھو جائیں اور بس یادوں کی دھند میں لپٹے نظر آئیں۔ماؤں جیسی ایک ہی بہن اور پھر اُس کے بعد، بہن کا عکس بھی غائب ہو جائے۔دل میں ایک ہی سوال آتا ہے کہ پیاروں کو کیوں لے لیا جاتا ہے! اور پھر دل کے گوشے سے آواز آتی ہے کہ اُن کو تو ہم سے بھی کہیں زیادہ پیار کرنے والے نے اپنے پاس بلایا ہے۔اور جن سے وہ چھین لیے گئے ہیں تو ان کو تو انسانی معیار و مقدار سے کہیں زیادہ پیار کرنے والی ہستی موجود ہے۔زندہ ہے۔وہی ان چھوڑ کے جانے والوں کے بغیر بھی جینا سکھا دے گی۔اُن سے جدا ہونے کے غم کو بھلا دے گی۔مکمل نہ سہی مگر اتنا تو کرے گی کہ غم کے زخم پر، صبر کا پیوند لگا دے گی۔مسلسل درد سے کچھ تو افاقہ پیدا کر دے گی!

بس دعا تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جانے والوں کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے اور پیچھے رہ جانے والوں کے لیے آسانیاں پیدا کرے۔

غم جتنا بھی کریں اُن کا زمانے والے
جانے والے تو نہیں لوٹ کے آنے والے
ایک پل چھین کے لے جاتا ہے انسان کو
پیچھے رہ جاتے ہیں ساتھ نباہنے والے